

تزکیہ نفس

کتمانِ علم کے اسباب اور اس کا علاج

راز مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلہ گزشتہ

خوف اور طمع | دوسری چیز جو آدمی کو جانتے بوجھتے امر حق کے اظہار و بیان سے روک دیتی ہے وہ طمع یا خوف ہے۔ جن لوگوں سے آدمی اپنا کوئی دنیوی مفاد و وابستہ کر لیتا ہے یا جن سے اس کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ان کی خواہشات کے خلاف اس نے کوئی بات زبان سے نکالی تو وہ اس کو نقصان پہنچا دیں گے۔ ان کے سامنے کسی ایسے حق کا اظہار جو ان کو پسند نہ ہو ایک کمزور آدمی کے لیے نہایت دشوار ہے۔ ہمارے اندر کتنے واعظ اور خطیب ہیں جو مسجدوں کے منبروں پر چڑھ کر گھنٹوں داد و خطابت دیتے ہیں لیکن وہ کوئی ایسی بات زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کرتے جس کو ان کے سامعین پسند نہ کرتے ہوں، اگرچہ دین کے اندر وہ بات کتنی ہی پسندیدہ اور مسلمہ حقیقت کیوں نہ ہو۔ کتنے عالمانِ دین ہیں جو دین کی فروعی باتوں پر تو روزِ مباحثے اور مناظرے کے موچے قائم کرتے پھرتے ہیں لیکن جلتے بجھتے اُن مخالفینِ دین بلکہ ہادیمِ دین سرگرمیوں کے مقابل میں بالکل گونگے بہرے بن جاتے ہیں جن کے متعلق ان کو اندیشہ ہو کہ اگر ان کے خلاف زبانِ بلائی تو اربابِ اقتدار کی ناراضگی سے مل سکتی ہے۔ کتنے دینی مدارس ہیں جو دین کی تبلیغ و تعلیم کے نام پر کھڑے جلتے ہیں لیکن وہ اصل دین سے زیادہ ان لوگوں کی خوشنودی اور رضا جوئی کا اہتمام کرتے ہیں جو ان کو چندہ دیتے ہیں اور ان کی سرپرستی کرتے ہیں۔ یہی حال عام طور پر مصنفوں اور موقوفوں کا ہے، یہی رنگ ادیبوں، شاعروں اور اخبار نویسوں کا ہے۔ حد یہ ہے کہ یہی انداز عام طور پر تزکیہ نفس کرنے والے مریضوں اور مرشدوں کا بھی ہے، وہ بھی اپنے روحانی مریضوں کے علاج اور پرہیز و نواہی میں استیصالِ مرض سے زیادہ مریضوں کی پسند و ناپسند اور ان کی خواہشوں ہی کا لحاظ رکھتے ہیں اور ان باتوں کو بیماری کہنے کے بجائے صحت ہی کہنا پسند کرتے ہیں جن کو بیماری کہنا کم از کم ان کے ماندار اور بااثر مریضوں کو ناگوار ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ علماء کے سینوں سے علم کو کس چیز نے نکالا؟ انہوں نے جواب دیا کہ طبع نے (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)

اس تمام کتمانِ علم کو مصلحت بینی پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اس جہل و فساد کے زمانہ میں لوگوں کو سارا دین بتانے کی کوشش کی جائے تو لوگ اس کا بوجھ سہار نہ سکیں گے بلکہ اندیشہ ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ بھی چھوڑ بیٹھیں بعضوں کے نزدیک دین کے ان اجزاء کا بیان کرنا جن کو اربابِ اقتدار پسند نہیں کرتے ان سے ٹکر لینے کے ہم معنی ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی خارجیت ہے۔ بعض حضرات کا نظریہ ہے کہ جن امور میں مسلمان ایک خاص پہلو پر جم گئے ہیں، اگرچہ وہ غلط ہی سہی، اب ان پر کلام کرنا لوگوں کے ذہنوں کو تشویش میں ڈالتا ہے۔ الغرض مختلف مصلحتیں ہیں جن کو اس علم پوشی کے لیے بہانہ بنایا جا رہا ہے حالانکہ یہی جھوٹی مصلحت پرستیاں اور بہانہ بازیاں ہیں جنہوں نے معاملہ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ مصلحت کی اہمیت سے ہم کو انکار نہیں ہے لیکن دین کی مصلحت اور اپنی ذاتی مصلحت میں بڑا فرق ہے۔ دین کی مصلحت پر نگاہ رکھنے والے تو یہ سوچتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی ہر بات بہر حال ہمیں لوگوں تک پہنچانی ہے البتہ یہ لحاظ رکھنا ہے کہ ہر بات صیح وقت پر، صیح طریقہ سے، صیح مخاطب کو پہنچے۔ لیکن جو لوگ صرف اپنی ذاتی مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہیں وہ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ کن باتوں کا بتانا اور سکھانا ہمارے مصالح کے موافق ہو گا اور کن باتوں کے اظہار سے ان مصالح کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش خدا کے دین کے ساتھ صریح چالبازی ہے اور اگر کوئی شخص اس کو مصلحت کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو وہ درحقیقت صریح منافقت کو مصلحت کا نام دینا چاہتا ہے۔

مسلمانوں سے اللہ کے رسولؐ نے جن باتوں پر عہد لیا ہے، عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق ان میں ایک نہایت اہم بات یہ بھی شامل ہے کہ

وَعَلَىٰ أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَا كُنَّا لَا نَخَافُ
اور اس بات پر ہم سے سمیت لی کہ ہم حق کہیں جہاں کہیں
بھی ہوں، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کو نہ دے کی
لامت کی پروا نہ کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ذرا اپنے معاشرہ کے ان لوگوں کے حالات کا جائزہ لیجیے جن پر حق کے اظہار اعلان کی اصلی ذمہ داری ہے کہ وہ کس حد تک اس کو نباہ رہے ہیں۔ یہ حدیث تو منبر سے لے کر دار تک اور مدرسہ و مسجد سے لے کر بادشاہوں کے دربار تک ہر جگہ حق کے اعلان کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ لوگ دین کے معاملہ میں بڑی بڑی دھاندلیاں دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی ہے ظلم ہے، بہتان ہے، لیکن اس کے خلاف محض اس اندیشہ سے زبان نہیں کھولتے کہ کہیں اپنے گروہ اور برادری سے خارج نہ کر دیئے جائیں یا اپنے حلقہ کے لوگوں کے طعن و تشنیع کا ہدف نہ بننا پڑے۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطے سے ایک طویل حدیث، ترمذی کے حوالہ سے نقل ہوئی ہے جس کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ولا يمنع احدكم هيبة الناس ان
يقول بحق اذا علمه وفي رواية ان راى
منكرات يغيرة فبكي ابو سعيد وقال
قد رأينا فمنعنا هيبة الناس ان نكله
فيه۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایک حق کو
جانتے ہو تو لوگوں کا خوف اور رعب تمہیں اس کے
اظہار سے مانع نہ ہو اور دوسری روایت میں یہ الفاظ
ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کی
اصلاح سے لوگوں کا خوف مانع نہ ہو۔ ابوسعید یہ
بیان کر کے رونے لگے کہ آج ہم منکر باتیں دیکھ رہے ہیں
لیکن لوگوں کے خوف نے ہمیں ان کے بائے میں زبان
کھولنے سے روک دیا ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ اُس زمانہ کے حالات پر نگاہ کر کے رونے لگے جبکہ حق کی پامالی اور مظلومی کے واقعات
کہیں شاذ و نادر ہی مشاہدہ میں آتے تھے اور اگر آتے بھی تھے تو جان کی بازیاباں کھیل کر اس حق کی حمایت و
فصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے بھی معاشرے میں کم نہیں تھے۔ بنو امیہ کے دہ میں بعض سفاکوں کی
خون آشامی ضرب المثل رہی ہے، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ اگر حق کے لیے اتنے بے شمار سرکٹنے کے
لیے موجود نہ ہوتے تو ان سفاکوں کی خون آشامی کو یہ شہرت دوام کہاں سے حاصل ہوتی؟ البتہ رونے کا

زمانہ آج ہے جبکہ حق پوشی ہی کو دین بنالیا گیا ہے اور ملعون وہ نہیں کیے جاتے جو حق کو قتل کرتے یا اس کو چھپاتے ہیں بلکہ وہ لوگ کیے جاتے ہیں جو حق کے اظہار و اعلان کی جرأت کرتے ہیں۔

بے حیثیتی | اکٹمان علم یا اکٹمان حق کا ایک سبب بے حیثیتی اور بے غیرتی بھی ہے۔ حق اور علم حق ایک متاع مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں، اس وجہ سے ہر شخص کے اندران کی حفاظت اور ان کی حمایت و نصرت کے لیے غیرت و حمیت ہونی چاہیے، اللہ اور رسول نے علم و عرفان کے جو چراغ جلائے ہیں وہ سب کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہیں، اس وجہ سے اگر ان میں سے کوئی چراغ بھی گل کیا جا رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سب کو روشنی سے محروم کیا جا رہا ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ ان چراغوں کی حفاظت کرے اور ان کے گل کرنے والے کا اسی طرح ہاتھ پکڑے جس طرح خاص اپنے گھر کے چراغ کے چھینے جانے پر وہ چھیننے والے کا ہاتھ پکڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو حقوق قائم کر دیئے ہیں، جو حدود مقرر کر دیئے ہیں، اور ہماری سلامتی کے لیے جو قوانین بنا دیئے ہیں وہ سب بھی متاع مشترک کی نوعیت رکھتے ہیں، ان کی سلامتی میں سب کی سلامتی اور ان کی بربادی میں سب کی بربادی ہے۔ اس وجہ سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے امکان کی حد تک ان کی حفاظت کرے اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دے۔ اگر ایک شخص کا مال ٹٹا ہے لیکن پاس پڑوس کے لوگ اس کی حمایت کے لیے نہیں اٹھتے، اگر ایک شخص قتل کر دیا جاتا ہے لیکن علم رکھنے والے قاتل کو کیفر کر دینا تک پہنچانے میں کوئی مدد نہیں کرتے، اگر ایک عقیقہ کی آبرو برسر بازار لٹتی ہے لیکن دیکھنے والے دم سادھ لیتے ہیں، نہ مظلومہ کے بچانے ہی کے لیے اٹھتے اور نہ ظالم کے مقابل میں شہادت ہی دینے کے لیے تیار ہوتے، اگر دین و شریعت کے اصولوں کی بھری مجلس میں توہین ہو رہی ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، لیکن مجلس کے بڑے بڑے ثقافت کے کالوں پر بھی غیرت کی جوں نہیں رہتی تو صاف الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے اندر خود اپنی عزت، خود اپنے ناموس اور خود اپنے جان و مال کے لیے بھی کوئی احساس غیرت باقی نہیں رہا ہے اور وہ اس بات پر راضی ہیں کہ خود ان کی ماں یا بہن یا بیٹی کی عزت و آبرو خود ان کے سامنے لٹے اور وہ اس کا تماشا دکھیں قرآن نے حق کے متاع مشترک ہونے کے اسی اصول کی بنیاد پر یہ فرمایا ہے کہ:

اِنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فسادٍ
 فِي الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ
 اَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔
 جس نے کسی شخص کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل
 کیا ہو یا ملک میں فساد برپا کیا ہو تو گویا کہ اس نے سب
 کو قتل کر دیا اور جس نے اس کو زندہ کیا تو گویا اس نے
 سب کو زندہ کیا۔ (۳۲- مائدہ)

غور کیجیے کہ قاتل اگر کسی کو ناحق قتل کر دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ سب کو کس طرح قتل
 کر دیتا ہے۔ اور اگر ایک شخص کسی کو ناحق قتل ہونے سے بچا لیتا ہے تو وہ سب کو کس طرح زندہ بچا
 لیتا ہے؟ وہ اسی طرح کہ قاتل درحقیقت حرمت جان کے اس مقدس اور ابدی قانون کو قتل کر دیتا
 ہے جو سب کی جانوں کا محافظ ہے اور ایک بچا لینے والا اس قانون کی حفاظت کرتا ہے جس کی حفاظت میں سب کے لیے
 امان ہے۔ اس سے یہ بات لازمی طور پر نکلتی ہے کہ کسی معاشرہ کے اندر ہر قتل، ہر بے آبروئی، ہر ظلم کو
 انفرادی حیثیت میں دیکھنے کے بجائے اس کو اجتماعی حیثیت میں دیکھا جانا چاہیے، گویا ہر شخص قتل
 ہوا، ہر شخص کی بے ناموسی ہوئی، ہر شخص پر ظلم ہوا اور پھر اسی حیثیت سے اس کے خلاف پورے
 معاشرہ کے اندر ایک کھلبلی پائی جانی چاہیے۔ اگر یہ کھلبلی نہ پیدا ہو تو یہ چیز پورے معاشرہ کی بے حسی اور
 بے محبتی کی دلیل ہے اور ایسے معاشرہ کے اندر نیکی اور سچائی کے تمام نشانات یکے بعد دیگرے معدوم
 ہو کے رہتے ہیں۔ اور پھر سب کے سب ظلم، جہالت، اور تاریکی کے گھاٹوں پر اندھیرے کے اندر گھر
 جاتے ہیں۔

یہ بے محبتی مختلف صورتوں میں معاشرہ پر چھاتی ہے۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ معاشرہ میں لگاڑ
 پیدا ہوتا ہے اور وہ تدریج ہر شعبہ زندگی پر چھانے لگتا ہے لیکن وہ لوگ جو لگاڑ کی اصلاح کر سکتے ہیں
 اپنے انفرادی تزکیہ میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر طرح کے فسق و فجور کے ہنگامے برپا
 ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے مسند و سجادہ کے حدود سے باہر جھانک کر بھی دیکھنے کو ارا نہیں کرتے کہ کیا
 ہمد ہل ہے۔ اللہ کی شریعت کی ہر جگہ علانیہ بے حرمتی ہوتی ہے لیکن یہ اپنے حال میں مست پڑے رہتے
 ہیں، ان کی پیشانی پر غیرت کی ایک لہر بھی نہیں اٹھتی۔ جب معاملہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ

ایسے معاشرہ پر اپنا غضب نازل فرماتا ہے اور پھر اس وقت جس طرح اصلی مجرمین پر خدا کا غضب بھڑکتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اُن القیاد و زہاد پر یہ غضب بھڑکتا ہے جن کی ناک کے نیچے یہ سارا فساد پرورش پاتا رہا اور وہ گونگے بہرے بنے ہوئے اس کا تماشا دیکھتے رہے۔ ایک حدیث ملاحظہ ہو

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم اوحى الله عز وجل الى جبريل

عليه السلام ان اقلب مدينة كذا وكذا

باهلها فقال يا رب ان فيهم عبدك فلانا

لم يعصك طرفة عين قال فقال اقلبها

عليه وعليهم فان وجهه لم يتعد في

ساعة قط (مشکوٰۃ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم بھیجا کہ

فلاں بستی کو اس کے باشندوں سمیت الٹ دو۔

جبریلؑ نے عرض کی کہ اے رب، اس میں تو تیرا فلاں

بندہ بھی ہے جس نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی تیری

نافرمانی نہیں کی۔ حکم ہوا کہ اس پر آمد تمام دوسروں

پر اس کو الٹ دو کیونکہ اُس شخص کا چہرہ کبھی میرے

دین کی بے حرمتی پر تھوڑی دیر کے لیے بھی ممتا یا نہیں۔

اس کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتے دیکھ کر جو لوگ اس کی اصلاح

کی صلاحیت رکھنے والے ہوتے ہیں وہ اس کی اصلاح کے لیے اٹھتے تو ہیں لیکن ان کے اندر وہ لگن

نہیں ہوتی جو اس راہ میں اترنے والوں کے اندر ہونی چاہیے۔ وہ اس راہ کی مشکلات کے مقابلہ

کے لیے اپنے اندر دم داعیہ نہیں رکھتے۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کی اصلاح تو ہو لیکن اس

طرح کہ نہ تو کسی کی ناراضگی مول لینی پڑے اور نہ کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ وہ سانپ کو تو مارنا چاہتے

ہیں لیکن اس کے لیے اپنی عصائے مقدس کو قربان نہیں کرنا چاہتے۔ ان کی عام روش یہ ہوتی ہے کہ وعظ

کی مجلسوں میں وہ وعظ فرمادیتے ہیں، درس کے حلقوں میں قرآن و حدیث کے درس دے دیتے ہیں،

معاشرہ کی برائیوں پر کبھی کبھی تہمتیں بھرتے۔ کچھ طنز بھی فرما جاتے ہیں، کبھی کبھی مرشدانہ انداز میں کچھ

درد مندانه نصیحتیں بھی سنا جاتے ہیں لیکن یہ سب کچھ کہتے ہوئے اسی رو میں ہی چلے جاتے ہیں جس

رو میں سب یہ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے بہنے اور دوسروں کے بہنے میں اگر کوئی فرق ہوتا ہے تو بس یہ

ہوتا ہے کہ دوسرے پوری کمیونی کے ساتھ اپنے آپ کو بہاؤ کے رخ پر ڈال دیتے ہیں اور یہ بہنے والوں کے ساتھ بہتے ہوئے کبھی کبھی یہ بھی یاد دہانی کرتے جاتے ہیں کہ ”ہم کہتے نہ تھے کہ یہ غلط سمت میں بچے جا رہے ہو“ ظاہر ہے کہ اگر اصلاح کی محض خواہش ہو اور برائیوں کے خلاف حق کی حمایت کے لیے ڈیجی حمایت نہ ہو جو آدمی کو اس بات پر مجبور کر دے کہ اگر لوگ غلط سمت میں بگ ٹھ چلے جا رہے ہیں تو وہ ہذا افراق بینی و بنیٹ کہہ کر اپنی راہ بدل لے اور اس بات کی کچھ پروا نہ کرے کہ اس سے اس کے کن کن مفادات پر زد پڑتی ہے تو اس خواہش اصلاح کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے؟ اور وہ اپنے آپ کو اس انجام سے کس طرح بچا سکتا ہے جو اس طرح کے بگاڑ کے لیے مقدر ہے؟

اس حقیقت کو مندرجہ ذیل حدیث سے سمجھیے۔

”ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں بگاڑ کا آغاز اس طرح ہوا کہ جب کوئی شخص کسی ایسے شخص سے ملتا جو کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہوتا تو وہ اس سے کہتا کہ اے فلاں، اللہ سے ڈرو اور یہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے باز آؤ، یہ بات تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ لیکن جب وہ دوسرے دن اس سے ملتا اور دیکھتا کہ وہ اپنی اسی روش پر قائم ہے تو اس کے اندر اتنی غیرت نہ پیدا ہوتی کہ وہ کھانے پینے، اور بل بیٹھنے میں اس کا ساتھی بننے سے انکار کر دے۔ جب لوگوں نے یہ کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک کے دل کی سیاہی دوسرے کے دل پر بھی تھوپ دی۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَعَنَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ، تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَقُولُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ لَهُمُ الْفُسْطَٰمُ... اِلٰی قَوْلِهِ فَاِيسِفُونَ... (بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے، کسی منکر سے جس کو وہ کر رہے ہوتے تھے باز نہیں آتے تھے، کیا ہی بُرا تھا وہ کام جو وہ کر رہے تھے، تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ انہی کو دوست رکھتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، کیا ہی بُرا ہے وہ نوشہ جو

انہوں نے اپنے لیے فراہم کیا لفظ فاسقون تک حضور نے یہ آیت پڑھی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں، یا تو یہ ہو گا کہ تم تنگی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، ظالموں کا ہاتھ پکڑو گے اور انہیں حق پر قائم رہنے پر مجبور کرو گے یا یہ ہو گا کہ تم میں سے ایک کے دل کی سیاہی دوسرے کے دل پر بھی چھا جائیگی پھر اللہ تم پر بھی اسی طرح لعنت کر دیگا جس طرح اس نے ان پر لعنت کی :

یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں۔ یہی حدیث ترمذی میں بایں الفاظ وارد ہوئی ہے ۔

”جب بنی اسرائیل برائیوں میں مبتلا ہونے لگے تو شروع شروع میں ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بازاری نہیں آتے تو انہوں نے ان کی مجلسوں میں اٹھنا بیٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا شروع کر دیا تو اللہ نے ایک گروہ کے دلوں کی سیاہی دوسرے گروہ کے دلوں پر بھی تھوپ دی اور ان کی نافرمانی اور زیادتی کی پاداش میں داؤد امین بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لگائے ہوئے تھے، یہ فرماتے ہوئے آپ اٹھ بیٹھے اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، اس خدا کی قسم جس کی مٹی میں میری جان ہے، جب تک تم انہیں حق کی طرف موڑ نہ دو اس وقت تک تم خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔“

ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ جس طرح وہ شخص بے حمیت اور خدا کی لعنت کا مستحق ہے جو سرے سے معاشرے کے اندر بھرنے والی برائیوں کے خلاف زبان ہی نہیں کھوتا، اسی طرح وہ شخص بھی بے حمیت اور غضب الہی کا مستحق ہے جو زبان تو برائیوں کے خلاف کھوتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی تنقیدیں لوگوں کا رخ پھرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں تو وہ بجائے اس کے کہ غیرت کا ثبوت دے اور ان سے اپنے آپ کو علیحدہ کرے اپنی کاہم نوالہ وہم پیالہ بنا رہتا ہے۔ اس طرح کے لوگ حق کا اظہار تو دینی زبان سے کرتے ہیں لیکن باطل کی تائید اپنے کھدے عمل سے کرتے ہیں اس وجہ سے خدا کے ہاں ان کی ان بے جان تنقیدوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ بلکہ ان کا شمار بھی کائناتین حق ہی میں ہوتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جتنا کتمان حق اس طرح کے لوگوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اتنا شاید دوسروں کے ہاتھوں نہیں ہوتا ہے۔

مداہنت | کتمانِ حق کا چوتھا سبب مداہنت اور چشم پوشی ہے۔ آدمی جن لوگوں سے قرامت و ترستہ داری رکھتا ہے، جن سے اس کے دوستانہ روابط ہوتے ہیں، جن کو وہ اپنے خاندان اور برادری کا سمجھتا ہے یا جن کے لیے اس کے دل میں احترام و عقیدت کا جذبہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کے سامنے فرائضِ حق میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ وہ ایک معاملہ میں صاف جانتا ہے کہ حق کیا ہے لیکن محض اس وجہ سے وہ سچی شہادت دینے سے یا تو کھٹکرا جاتا ہے یا صریح جھوٹ بول دیتا ہے کہ معاملہ اس کے کسی عزیز و قریب یا دوست یا خاندان کے آدمی کا ہے۔ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے ایک کھلی ہوئی کمزوری بلکہ مریج نافرمانی اللہ اور رسول کی دیکھتا ہے لیکن چپ سا رہے رہتا ہے، کیونکہ معاملہ اس کے اپنے بیوی بچوں اور عزیزوں کا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ صاف جانتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اس کے شیخ یا استاد یا مرشد سے مریج زیادتی ہو رہی ہے لیکن وہ محض اس وجہ سے ٹوکنے کی جرأت نہیں کرتا کہ اپنے استاد یا مرشد کو کیا کہہ اور کیسے کہے۔

اس طرح کے لوگوں کے ذہن کا اور ان کے اس طرزِ عمل کا تجزیہ کیا جائے تو چند باتیں نہایت آشکارا ہو کر سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح کے لوگ سچی خیر خواہی اور جھوٹی محبت میں امتیاز نہیں کرتے۔ دوسری یہ کہ یہ خدا کے مقابل میں شیطان پر زیادہ بھروسہ رکھتے ہیں۔ تیسری یہ کہ یہ ارادت و عقیدت کے تقاضوں کو حق سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں۔

ایک شخص اگر اپنے کسی بچے یا کسی عزیز میں ایک خطرناک مرض کے آثار پارہا ہے لیکن وہ محض اس خیال سے اس کو زبان پر نہ لائے یا اس کے علاج کی فکر نہ کرے کہ یہ چیز اس کی طبیعت پر بار ہوگی اور اس کو انجکشن اور آپریشن کے تکلیف دہ مراحل سے گزارنا پڑے گا تو اس میں شبہ نہیں کہ یہ محبت کا تقاضا تو ہے لیکن یہ محض ایک جھوٹی محبت ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ سچی محبت یا بالفاظِ دیگر سچی خیر خواہی کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلے ہی مرحلہ میں اس کا نوٹس لیا جائے اور قبل اس کے کہ اس کی بیماری لا علاج ہو جائے اس کا علاج کر ڈالا جائے۔ اگرچہ یہ علاج کتنا ہی تکلیف دہ اور ناگوار کیوں نہ ہو۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح سمجھایا ہے کہ بجائے اس کے کہ تمہاری مداہنت اور چشم پوشی سے بگڑ کر تمہارے اہل و عیال خدا کے سخت گیر ملائکہ کی گرفت میں آئیں اور دوزخ کا ایندھن بنیں، تمہاری

سچی خیر خواہی اور سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تم خود ہی اپنے احتساب اور اپنی تادیب کے نیچے رکھ کر ان کو خدا کی رحمت کا مستحق بناؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ
فَلَكُمْ وَفُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ، عَلَيْهَا
مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا
أَمَرَهُمْ وَفَعَلُوا مَا يَأْمُرُونَ (۹-تحریم)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے اندھن آدمی اور تھرپڑنگے جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے مامور ہونگے جو خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے، وہی کریں گے جو انہیں حکم ملے گا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے خدا اور اس کے قانون سے فرار اختیار کیا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم اس کے معاملہ میں جھوٹی شہادت دے کر یا سچی شہادت کو چھپا کر اس کو اللہ سے اور دور کر دیں اور خدا کے مجرم کی حمایت کر کے خود اپنے آپ کو بھی اس کا مجرم بنالیں، صحیح راستہ اس کے لیے بھی اور خود ہمارے لیے بھی یہ ہے کہ ہم اس کو خدا اور اس کے قانون کے حوالہ کریں۔ اگر ہم اس کو خدا کے قانون سے بچانے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے معاملے میں خدا سے زیادہ شیطان کے اوپر اعتماد رکھتے ہیں اور اس کو شیطان کے حوالہ کر رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت کے الفاظ پر خوب اچھی طرح غور کیجیے تو حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ
شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ
وَالْأَقْرَبِينَ إِنَّ تَكُونَ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ
أُولَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا
وَأَنْ تَكُونُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱۳۵-نساء)

اے ایمان والو! عدل کی محافظت کرنے والے بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اگرچہ یہ شہادت تمہاری اپنی ذات کے یا تمہارے والدین کے یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی پڑے۔ کوئی شخص امیر ہو یا غریب اللہ کا حق ان دونوں پر سب سے زیادہ ہے تو خواہش کی پیروی کر کے انصاف سے نہ مٹو، اگر تم کسی کی طرف جھکو گے

یا کسی سے اعراض برتو گے تو یاد رکھو کہ اللہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔

یعنی تمہاری شہادت بالکل بے لاگ لپٹ ہوئی چاہیے۔ اس میں اس وجہ سے کوئی فرق ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہمارے زیرِ امداد شدہ ہے اور دوسرا شخص نہیں ہے یا ایک شخص غریب ہے اور دوسرا شخص مالدار ہے۔ کوئی شخص بیگانہ ہو یا بیگانہ، امیر ہو یا غریب، خدا کا حق دونوں پر یکساں ہے اور یہ حق دوسرے تمام حقوق پر مقدم ہے، اس وجہ سے جج اس کے کہ غریب امارت اور بیگانگی و بیگانگی کا لحاظ کر کے کسی پر خدا کا قانون چلایا جائے اور کسی پر نہ چلایا جائے شہادت حق کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں پر اس کو یکساں چلایا جائے کیونکہ خدا اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ سب اسی کے قانون کے تحت جنیں یا مرے۔ خدا کے قانون کے تحت مر جانا اس جینے سے کہیں بہتر ہے جو خدا کے قانون کے تحت نہ ہو۔

یہی حقیقت مخدومہ عورت کے اس واقعہ سے واضح ہوتی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مخدومہ عورت چوری کی تو قریش کو اسکی بڑی فکر ہوئی۔ وہ اس امر پر غور کرنے لگے کہ اسکے بارے میں کوئی شخص رسول اللہ سے گفتگو کرے بعض لوگوں نے کہا کہ بھلا ایسے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اسامہ بن زید کے سوا کس کی مجال ہے کہ حضور کے سامنے کچھ کہنے کی جرأت کر سکے؛ چنانچہ حضرت اسامہ نے حضور سے گفتگو کی حضور نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی حمد میں ایک حد کے باب میں سفارش کرنے آئے ہو؛ اسکے بعد آپ نے ایک خطبہ یا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان کے اندر کوئی معزنا آدمی چوری کرتا تو اس سے چشم پوشی کرتے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے لیکن خدا کی قسم میں تو اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا رسول بخاری، اب ان لوگوں کے معاملے کو لیجیے جو شیخ یا استاد یا مرشد یا لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کو جانتے اور جتنے نظر انداز کرنے کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں اور ان میں سے ہر وجہ غور کھیجیگا تو آپ خود محسوس کریں گے کہ ایک ایک بڑھکرا فوسناک بلکہ ثمرناک ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ محسوس تو کریں کہ اپنے شیخ یا استاد یا لیڈر سے نہایت سخت قسم کی زیادتی ہو رہی ہے لیکن محض اس کا لحاظ اور احترام آپ کے لیے اس زیادتی کے خلاف زبان کھولنے سے مانع ہو۔ اگر یہ صورت ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ اساتذہ یا شیخ کا احترام حق سے بھی زیادہ کرتے ہیں اور شیخ اور اساتذہ کے احترام کے تقاضوں کو خدا اور رسول کے صریح مطالبات سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے کسی بزرگ میں کوئی غلطی سر نہیا دیکھتے تو یہ ہیں لیکن آپ کی کوئی چھوٹی باری غرض اس بزرگ سے وابستہ ہے جس کے سبب آپ کے منہ میں لگام لگی ہوئی ہے اور آپ اس کو ٹوکنے کی جرأت نہیں

کر رہے ہیں مگر یہ وجہ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنی غرض اور اپنے مطلب کو حق اور سچائی اور خدا اور رسول سب پر مقدم رکھتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کو اپنے منہج یا اساتذہ کے علم اور تقویٰ پر اتنا بھروسہ اور اس کی رائے پر اتنا گہرا اعتماد ہے کہ آپ محسوس تو کرتے ہیں کہ اس کا فلاں فعل یا فلاں قول بالکل حقیقت کے خلاف ہے لیکن محض اس خیال سے اس کو ٹوکنے سے احتراز کریں کہ ایک ایسا صاحب علم و تقویٰ کوئی غلط کام کس طرح کر سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں ہی غلطی پر ہوں اس وجہ سے خاموشی ہی بہتر ہے۔ اگر یہ وجہ ہے تو یہ وہی اندیشی عقیدہ ہے جس میں مبتلا ہو کر لوگوں کے اپنے بزرگوں اور مشائخ کو ہم پائیہ خدایا بالفاظ دیگر ابابا من دون اللہ بنا ڈالا اور اسکے نتیجہ میں حق شناسی کی نعمت سے ایسے محروم ہوئے کہ سوج کی طرح چمکتا ہوا حق بھی ان کو نظر نہ آسکا۔ اس کی جو تھلی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے لیڈر یا مرشد کی غلطی اور کوتاہی جاننے کے باوجود محض سہل انگاری کے سبب سے حق نصیحت سے تعافل برت رہے ہیں۔ اگر یہ سبب ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا حق آپ پر ہے بڑا ہے آپ اسی کے معاملے میں مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں۔ ایک شخص نے آپ کو تعلیم دی، آپ کی تربیت کی، آپ کو راہ پر لگایا لیکن جب اس نے خود کہیں ٹھوکر کھائی تو بجائے اس کے کہ آپ اس کو دھڑکے سنبھالتے اور جھپٹ کر اٹھاتے، اس کو چھوڑ کر چلتے بنے، یہ ایک کھلی ہوئی ناپاسی اور احسان فراموشی ہے۔ پانچویں اور آخری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اس کے ٹھوکر کھا کر گرنے ہی کے منتہی سے ہیں ادب جبکہ وہ گر چکا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کو سنبھالنے کی کوشش کریں اس کو کچھ پر تپت اور دلدل میں پھنسا ہوا دیکھ کر آپ مطمئن ہیں مگر یہ بات ہے تو یہ ایک بدترین خیانت اور سنگین ترین بے وفائی ہے جو کوئی شخص اپنے کسی بزرگ یا اپنے لیڈر کے ساتھ کر سکتا ہے۔

بہر حال ان میں سے جو وجہ بھی ہو اور انہی میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ ہر وجہ نہایت افسوسناک اور نہایت شرمناک ہے بلکہ یہ کہنا بھی شاید مبالغہ نہ ہو کہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ عقیدے کے اعتبار سے ان کے ڈانڈنے شرک سے ملتے ہیں اور اخلاقی گراؤ کے پہلو سے دیوثیت سے۔ پھر جب آدمی ان پر اس پہلو سے نگاہ ڈالتا ہے کہ ایک مرشد یا ایک پیشوا اور لیڈر کی غلطی محض ایک شخص ہی کی غلطی اور کوتاہی نہیں ہے بلکہ یہ ہزاروں اور لاکھوں کی غلطی اور حجابی کی موجب ہے، اس سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں، جماعتوں کی جماعتیں گمراہی کے راستے پر چل پڑتی ہیں، اور بالآخر قوموں کی قومیں تباہ ہو جاتی ہیں تو ان کی سنگینی سو گئی بلکہ ہزار گنی بڑھ جاتی ہے۔